۶۰ سال پہلے

ترکی، ایران اور عراق ترقی کے قدم نسبتاً آگے بڑھا چکے ہیں، لیکن اس طرح کہ گویا مذہب اور دنیوی زندگی کی راہیں الگ الگ ہیں۔ افغانستان اور مصر کا تیوز بھی کچھ یہی کہہ رہا ہے۔ ان اسلامی ممالک میں تقلید یورپ اور اتباع مذہب دونوں کا تصادم ہو رہا ہے۔ لیکن حالات سے ہر باخبر انسان بخوبی جانتا ہے کہ مغربی تہذیب و تمدن، اسلامی تمدن، کلچر، اصول و معاشرت، اور طرز حکومت پر کس طرح غالب ہوتا جارہا ہے۔ پھر اگر ان ممالک نے ترقی کی معراج حاصل کر بھی لی تو اللہ اور رسول کی نظروں میں اس عزت اور ترقی کی کیا حیثیت ہو گی؟ کیا یہ اسلامی حکومت کہی جائے گی؟ کیا خلافت الٰہی کا کھویا ہوا تاج و تخت انھیں حاصل ہو جائے گا؟ کیا اس وقت انھیں تائید الٰہی حاصل ہو جائے گی؟ کیا وہ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ کے مصداق ہو جائیں گے؟ کیا وہ متقین اور صالحین کی وہ جماعت بن جائیں گے جن کی نصرت کے لیے ملائکہ نازل ہوا کرتے تھے؟ اگر ایسا نہ ہو گا اور یقیناً نہ ہو گا تو ہمارے قائدین ملت کو وقت کی نزاکت کا احساس کرنا چاہیے۔ اگر پوری امت اسی سیلاب کی رو میں بہہ گئی تو پھر نہایت ہی ماتم کا وقت ہو گا۔ اس وقت امت کا خدا سے رہا سہا رشتہ بھی منقطع ہو جائے گا۔ خطرہ ہے پھر معلوم نہیں ان خوفناک فتنوں کا قدرت کیا جواب دے؟ اسلام کے دردمندوں کو چاہیے کہ ان فتنوں کے مقابلے کے لیے بشرطیکہ انھیں اپنی مسئولیت اور ذمہ داری کا کچھ بھی ڈر ہو، خانقاہوں کی ہوا اور مدرسوں کے حجروں سے باہر نکلیں۔ کتاب الٰہی کی روشنی میں منزل مقصود کو تلاش کریں۔ امت کی شیرازہ بندی اور قوم کی مکمل تنظیم کا ہر ممکن طریقہ اختیار کریں، اور ان مفاسد کا سب سے پہلے سدباب کریں جو اختلاف و نزاع کے جراثیم پیدا کر کے وحدت امت کو ٹکڑے ٹکڑے کر رہے ہیں۔

پھر رفتہ رفتہ ان کے ظاہر و باطن پر پڑے ہوئے غلاف ضلالت کو اٹھایا جا سکتا ہے۔ ظاہر ہے اتنے عظیم الشان انقلاب کا مطلب قوم کو بالکل نئے سانچے میں ڈھالنا ہو گا جس کے لیے کافی غور و فکر کے ساتھ کافی حزم و احتیاط اور عزیمت و استقلال کی ضرورت ہو گی۔

(ترجمان القرآن، صدر الدین اصلاحی، مسلمان اور امامت کبریٰ، جلد ۱۱، عدد ۲، شعبان ۱۳۵۶ھ / اکتوبر ۱۹۳۷ء)